باب: 03

حضرت عمر فاروقؓ

(581 - 644 AD)

آپ کا نام عمر اور فاروق لقب ہے۔ آپ قریش کی شاخ بنو عدی سے تعلق رکھتے ہیں۔ آٹھویں پشت پر آپ کا نسب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ والد کا نام خطاب بن نفیل، اور والدہ کا نام حنتمہ بنت ہشام ہے۔ اگرچہ کہ آپ اور آپ کے والد مال و دولت کے اعتبار سے غریب تھے لیکن اپنے قبیلہ میں ایک ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔

حضرت عمرؓ گورے رنگ، مضبوط بدن اور بلند قد والے تھے۔ مزاج میں سختی تھی۔ یوں تو آپ کے زمانہ میں پڑھنا لکھنا عام نہ تھا لیکن آپ نے پڑھ لکھ کر اپنے آپ کو دوسروں سے ممتاز کر لیا تھا۔ آپ فنونِ سپہ گری اور خطابت سے بھی بڑی دلچسپی رکھتے تھے۔ آپ کی معاش کا ذریعہ تجارت تھا۔ اسی سلسلہ میں آپ دور دراز کا سفر کرتے رہے۔ اس سفر نے آپ کو بڑا پختہ ذہن اور معاملہ فہم بنا دیا تھا۔

اسلام لانے سے قبل آپ اسلام کے سخت دشمن تھے۔ لیکن چونکہ حضرت عمر فاروقؓ، عالی دماغ اور دبدبے والے تھے اس لیے آنحضرتؐ، آپ کے اسلام لانے کے لیے بڑے آرزو مند تھے۔ اور آپ کے لیے دعا فرمایا کرتے تھے۔ قدرت کا کرشمہ یہ ہوا کہ بہن فاطمہ اور ان کے شوہر اور چچا زاد، سعید بن عمرو کے مسلمان ہونے کی اطلاع پر آپ ان کے گھر پہنچے اور دونوں کی خوب پٹائی کر دی۔ جب وہ ٹس سے مَس نہ ہوئے تو آپ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ آخر اس دین میں ایسی کیا خاص بات ہے۔ اُس وقت حضرت خبابؓ اُن دونوں کو سورۃ طٰہٰ پڑھا رہے تھے۔ چنانچہ فرمائش کر کے چند آیتیں سنیں اور آپ بے اختیار لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللہ کہہ اٹھے۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ کو دوسری بار کعبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست سورۃ الحاقہ کی تلاوت سننے کا موقع ملا۔ پھر تو اپنے آپ کو آنحضرتؐ کے سامنے پیش کر ہی دیا۔ یوں آپ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

جب حضرت عمرؓ نے محسوس کرلیا کہ اسلام نہ صرف لوگوں کے دلوں پر حکومت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے بلکہ انھیں اجتماعی زندگی اور اس کے نظام کی طرف لے جاسکتا ہے تو آنحضرتؐ کی توقعات کے عین مطابق آپ اللہ کے دین میں اسی حمیت کے ساتھ شامل ہوگئے کہ جس زور کے ساتھ پہلے اس کی مخالفت کرتے تھے۔

گو حضرت عمرؓ کو اسلام قبول کرنے پر قریش ویسا تو نہیں ستا سکتے تھے جیسے وہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ کیا کرتے تھے پھر بھی وہ آپ کو تنگ کرنے سے مکمل طور سے باز بھی نہ رہے۔ آپ نے ان لوگوں کی کافی سختیاں برداشت کیں۔ یہاں تک کہ آنحضرتؐ نے آپ کو مدینہ ہجرت کا حکم دے دیا۔ تاہم حضرت عمرؓ نے مکہ چھوڑنے سے قبل کعبہ کا طواف کیا اور نماز ادا کی اور مشرکین سے برملا کہا کہ جس میں جرأت ہو میرے سامنے مید ان میں آئے لیکن کوئی ہمت نہ کرسکا۔

ہجرتِ مدینہ کے بعد آپ بدر، اُحد اور تمام بڑے جنگی معرکوں میں شریک ہوئے۔ آپ کی جرأت اور شجاعت سے اسلام کو بڑی تقویت پہنچی۔ اپنی مدبرانہ صلاحیتوں ، صاف گوئی اور قومی مسائل اور قومی نظام میں خصوصی دلچسپی کے سبب آنحضرتؐ کی خدمت میں تقرب حاصل ہوگیا اور حضرت ابوبکرؓ کی مانند آپ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشیرِ خاص بن گئے۔

آنحضرتؐ کے وصال کے بعد جب جانشینی کا مسئلہ سامنے آیا تو حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابوبکرؓ کا نام تجویز کرنے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں دیر نہیں لگائی۔ بیعت کے لیے آپ کی اس پیش قدمی سے اُس وقت ایک انقلاب برپا ہوتے ہوتے رہ گیا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے پورے دورِ خلافت میں اُن کا بھرپور ساتھ بھی دیا۔

حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کی ذمہ داری جمادی الثانی 13AH/634AD کو سنبھالی۔ اور آپ تقریباً 11 سال تک بہ طور سربراہِ حکومت رہے۔ آپ کا اصل کارنامہ اسلامی بنیادوں پر حکومت کا آئین مرتب کرنا اور عادلانہ نظام قائم کرنا ہے۔ قرآن نے شوریٰ یعنی باہمی مشورہ کی اہمیت بتلائی ہے ، چنانچہ حضرت عمرؓ نے شوریٰ کی بنیاد پر خلافتِ اسلامیہ کو قائم کیا۔ آپ نے اپنی حیثیت ہمیشہ صرف ایک نگران اور منتظم کی رکھی اور اس کو عملاً متعدد مواقع پر واضح کیا۔ آپ کے دور میں ہر مسلمان کو آزادیٔ رائے اور حکومت پر نکتہ چینی کا پورا حق حاصل تھا۔ معمولی معمولی مسلمان برسرِعام حضرت عمرؓ کو ٹوک دیا کرتے تھے۔

آپ نے اپنے عہد میں ملک کو نہایت وسیع نظام قائم کر کے دیا۔ صوبوں کی تقسیم کی۔ اور ہر صوبے میں گورنر، وزیرِ اعلیٰ، کلکٹر، ٹریژرر اور قاضی مقرر کیے۔ پولیس کا نظام قائم کیا۔ یہاں تک کہ ہر صوبے کی مقامی فوج اس کے کور کمانڈر کے ساتھ رکھی۔ حکام کے انتخاب میں آپ کی نگاہ ایسی صحیح اور دور بین ہوتی تھی کہ جس کام کے لیے جس کو چُن لیتے تھے وہ اپنے مقام پر بالکل درست بیٹھتا۔ اسی لیے جو شعبہ جس سے متعلق ہوتا، وہ اسے اپنے کمال کے درجہ تک پہنچا دیتا تھا۔

ابتدا میں انتظامی دشواریوں کے سبب کچھ عرصہ تک انتظامی اور عدالتی شعبے ایک رہے۔ لیکن جب پورا نظام قائم ہو گیا تو عدالت کا محکمہ، علاحدہ اور مستقل کر دیا گیا۔ تمام صوبوں میں عدالتیں بنیں۔ ان کے قاضی مقرر ہوئے اور ان کے لیے اصول اور آئین تیار کیے گئے۔ قاضی کو ہدایت تھی کہ وہ اپنا فیصلہ کرتے وقت سب سے پہلے قرآن کا حکم پیشِ نظر رکھے۔ اگر اس میں واضح حکم نہ ملے تو حدیث سے رجوع کرے۔ اگر پھر بھی تفصیل پیش آجائے تو اجماع (متفقہ رائے) سے، ورنہ اجتہاد (غور و فکر) سے کام لے۔

حضرت عمرؓ قاضی کے انتخاب کے لیے بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ اس کے لیے بنیادی ضرورت علم، تقویٰ، ذہانت اور قوتِ فیصلہ کا رکھنا ہوتا۔ اس کے علاوہ یہ بھی قاعدہ مقرر کیا کہ دولتمند اور معزز شخص کے علاوہ معمولی آدمی قاضی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کی وجہ آپ نے یہ ظاہر کی کہ دولتمند رشوت کی طرف راغب نہ ہو گا اور معزز شخص فیصلہ کرنے میں کسی کے رعب سے متاثر نہ ہو گا۔ آپ نے عدل و انصاف میں مساوات لانے کی عملی کوششیں کیں۔ اس کا سبق دینے کے لیے اکثر خود مقدمہ کا فریق بن کر عدالت میں جاتے۔ آپ کا اصرار رہا کہ جب تک قاضی کی نظر میں ایک عام آدمی اور رتبہ والا دونوں برابر نہ ہو جائیں انصاف درست طور سے نہیں کیا جا سکتا۔ اس سلسلے میں اپنے بیٹے کو شراب پینے کے جرم میں کوڑے کی سزا دلوانا دنیا کی تاریخ میں خود کو نمونہ بنا کر پیش کرنے کی ایک بہترین مثال ہے۔

حضرت عمرؓ نے ٹیکس کی وصولی کا ایک وسیع نظام قائم کیا۔ آمدنی کے ذرائع زکواۃ، خراج، عشر، جزیہ اور مالِ غنیمت تھے۔ زکواۃ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص تھی۔ عشر یعنی پیداوار کا دسواں حصہ، ایک تجارتی ٹیکس تھا۔ اس کو اسلام میں سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے جاری کیا۔ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں اگرچہ کہ بیت المال کی بیناد ڈال دی گئی تھی لیکن اس کو باقاعدہ منظم حضرت عمرؓ کے عہد میں کیا گیا۔

Siddiqui Publications

15AH/637AD تک فوج کا کوئی باقاعدہ محکمہ نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے ولید بن ہشامؓ کے مشورہ سے نہایت وسیع اور منظم فوج کا محکمہ قائم کیا۔ سپاہی اور افسر سب کی مناسب تنخواہیں بھی مقرر کیں۔ ان کے لیے چھاؤنیاں بھی بنائیں۔

حضرت عمرؓ نے زراعت پر بھی توجہ دی۔ اس کی ترقی کے لیے آپ نے یہ قانون بنایا کہ جو شخص کسی غیر آباد زمین کو تیار کرے گا وہ اس کی ملکیت ہو جائے گی۔ لیکن زمین لینے کے تین سال کے اندر اس کا آباد کرنا ضروری قرار دیا جس کے بہت اچھے نتائج برآمد ہوئے۔ آپ نے نہروں کی تعمیر پر بہت کام کیا۔ خاص طور سے مصر میں نہری نظام کو بہت زیادہ ترقی دی۔ سب سے بڑی نہر "نہر امیر المومنین" تھی۔ 18AH/640AD میں جب عرب میں قحط پڑا اور حضرت عمرؓ نے مصر سے غلہ طلب کیا تو شام اور مصر کی خشکی کا راستہ دور ہونے کی وجہ سے غلہ کسی قدر تاخیر سے پہنچا تھا۔ اس وقت حضرت عمرؓ نے 99 میل لمبی نہر کھدوا کر دریائے نیل کو بحر قلزم سے ملا دیا۔

حضرت عمرؓ نے مذہبی تعلیم کی ترقی کے لیے بہت سے کام کیے۔ قرآن کی تدوین کی ابتدا تو پہلے ہی عہدِ صدیقیؓ میں کروادی تھی۔ جگہ جگہ مدرسے قائم کیے۔ قرآن کی تعلیم کے ساتھ اس کی کتابت کے انتظام کیے۔ حفاظ کی بڑی جماعت تیار کی۔ خاص طور پر طالب علموں کے لیے اُن قرآنی سورتوں کو یاد کرنا ضروری قرار دیا جن میں عام زندگی کے لیے احکامات موجود ہیں۔ اسی طرح آپ نے حدیث کی بھی بہت خدمت کی۔ اس کے لیے مختلف جگہوں سے ان کا جمع کرنا، اس کی تمام تر صحت کا خیال کرنا اور پھر اس کے بعد اس کی اشاعت کرنا شامل ہے۔ اصولِ فقہ کا فن آپ ہی کی ایجاد ہے۔ جن خطوط پر اس کو استوار کیا گیا اس نے آنے والوں کے لیے اجتہادِ فکر کی ایک نہایت وسیع شاہراہ قائم کر دی۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں مختلف شعبوں میں بہت سی نئی باتیں بھی رائج کی گئیں۔ جنہیں مورخین حضرت عمرؓ کی ایجاد سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسے، فجر کی اذان میں اَصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمْ کا اضافہ کیا، نمازِ تراویح جماعت سے قائم کی، تین طلاقوں کو جو ایک ساتھ دی جائیں 'بائن' قرار دیا، شراب کی حد 80 کوڑے مقرر کی، جیل خانے قائم کیے، راتوں کو گشت کر کے رعایا کا حال دریافت کرنے کا طریقہ نکالا۔ سربراہ حکومت کے لیے "امیر المومنین" کا لقب اختیار کیا، مردم شماری کروائی، تجارت کے گھوڑوں پر زکواۃ مقرر کی، بنو تغلب کے عیسائیوں پر جزیہ کے بجائے زکواۃ مقرر کی۔ وقف کا طریقہ ایجاد کیا، نمازِ جنازہ میں چار تکبیروں پر اجماع کیا، مساجد میں وعظ کا طریقہ جاری کیا۔ اماموں اور موذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ ہجو کہنے والے شاعروں پر پابندی لگائی اور خلاف ورزی کی سزائیں بھی مقرر کیں۔ غزلیہ اشعار میں عورتوں کے نام لینے سے منع کیا۔ ان کے علاوہ حضرت عمرؓ کے دیگر اہم اوّلیات میں اسلامی تاریخ اور سنہ ہجری کا قائم کرنا بھی ہے، جو آج تک جاری ہے۔

☆ **مہمات اور فتوحات** : حضرت عمرؓ نے جب اپنی خلافت کا عہدہ نبھالا تھا اس وقت شام و عراق دونوں محاذوں پر جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ چناں چہ آپ نے سب سے پہلے اس طرف توجہ کی۔ آپ نے ابو عبید ثقفی کو چند ہزار سپاہ کے ساتھ عراق کی مہم پر روانہ کیا۔ نمارق کے مقام پر ان کا مقابلہ جابان سے ہوا اور ابو عبیدؓ نے انہیں شکست فاش دی۔ جس کے نتیجہ میں سقاطیہ کے قرب و جوار کے ایرانی امراء نے بھی اطاعت قبول کر لی۔ لیکن ایران کے رستم نے ابو عبیدؓ سے لڑنے کے لیے فوراً ہی مردان شاہ کی قیادت میں ایک تازہ دم فوج روانہ کر دی جو فرات کے ساحل پر اتری۔ مسلمان، فرات کے دوسری جانب جس میدان میں قیام پذیر تھے وہ جنگی نکتہ سے موزوں نہ تھا۔ ابو عبیدؓ جوشِ جہاد میں فرات پار کر گئے جہاں ان کے گھوڑوں کا مقابلہ ہاتھیوں سے ہو گیا۔ ابو عبیدؓ ایک ہاتھی کی زد میں آکر شہید ہو گئے جس کے بعد پوری مسلم فوج ہی پسپا ہو گئی۔ حضرت عمرؓ کو جوں ہی اس کا علم ہوا تو آپ نے ایک تازہ دم فوج جریرؓ بن عبداللہ کی ماتحتی میں محاذ جنگ پر روانہ کر دی۔ اس دوران عراق میں موجود مثنیؓ نے بھی آس پاس کے مسلم قبائل کو جمع کر کے فوج ترتیب دے لی۔ مسلمانوں کی دونوں فوجوں نے بویب کے مقام پر اپنے خیمے نصب کیے۔ اس بار ایرانی فوج نے فرات کو پار کر کے لڑائی کی۔ دونوں فوجوں میں سخت لڑائی ہوئی اور آخر کار ایرانی فوج کو شکست کا سامنا ہوا۔ یہ 13AH/634AD کا واقعہ ہے۔

ایرانی فوج کی اس ناکامی کے سبب بادشاہ پوران دخت کو تخت سے اتار کر اس کے 17 سالہ بیٹے یزد گرد کو بٹھا دیا گیا۔ اور سپہ سالار رستم نے مسلمانوں سے بدلہ لینے کی تیاریاں زور و شور سے شروع کر دیں۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ملنے پر آپ نے بھی اپنی فوج کی نئے سرے سے تشکیل کی اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو سپہ سالار بنا کر ان کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ اس مرتبہ مسلم فوجوں نے قادسیہ کے مقام پر مورچہ بندی کی۔ محرم 14AH/635AD کو ایرانی فوج بھی میدان جنگ میں تھی۔ لگاتار تین دن تک گھمسان کا رن پڑا۔ بالآخر ایرانی فوجوں نے میدان چھوڑ دیا۔

قادسیہ کی جنگ کے بعد مسلم افواج بابل، کوثی اور بھرسیر پر قبضہ کرتے ہوئے پایہ تخت مدائن کو پہنچ گئی۔ اس کے لیے اگرچہ کہ ان کے درمیان دجلہ کا دریا بیچ میں حائل ہوا لیکن مسلمانوں نے اسے بھی عبور کر لیا۔ پھر ان ہی ایرانیوں سے جلولاء اور حلوان میں بھی مزاحمت کا سامنا ہوا لیکن مسلمان وہاں پر بھی ان کی مکمل سرکوبی میں کامیاب رہے۔ یزد گرد تخت چھوڑ کر بھاگ گیا۔ یوں مسلمانوں نے عراق کا پورا علاقہ ہی ایرانی قبضہ سے چھڑا لیا۔

حضرت عمرؓ سرزمین ایران کی طرف بڑھنا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن ایرانی، عراق کے نکل جانے کے بعد چین سے نہ بیٹھ سکے۔ چنانچہ 16AH/638AD میں ان سے تکریت، خوزستان اور نہاوند میں معرکہ آرائی کرنی پڑی۔ ان کی مسلسل شورشوں کے سبب چند سال بعد ہی ایران پر عام لشکر کشی کا فیصلہ ہوا۔ 21AH/642AD اور 22AH/643AD میں اصفہان، ہمدان اور رے فتح ہوئے۔ اور آخر میں فارس، کرمان، اور سیستان کی باری آئی۔ حتیٰ کہ مکران بھی فتح ہو گیا۔

ادھر دمشق میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی متعینہ فوج کا محاصرہ جاری ہی تھا کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ یوں اس کی فتح عہدِ فاروق میں عمل میں آئی۔ 13AH/634AD میں اس مہم میں حضرت ابو عبیدہؓ بہ طور سپہ سالار شریک تھے۔ ان کی مدد کے لیے حضرت خالدؓ بن ولید بھی روانہ کر دیئے گئے تھے۔ حضرت خالدؓ نے اپنی جانب سے محاصرہ توڑ کر فوج کو شہر میں داخل کر دیا تھا جس سے شہر کے لوگ ایسے ہراساں ہو گئے تھے کہ انہوں نے دوسری طرف حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس پہنچ کر صلح کی درخواست کر دی جسے انہوں نے فوراً قبول بھی کر لیا۔ اگرچہ کہ حضرت خالدؓ شہر میں فاتحانہ داخل ہوئے تھے مگر حضرت ابو عبیدہؓ مصالحت قبول کر چکے تھے لٰہذا دمشق کی یہ فتح مصالحانہ قرار دی گئی۔ جس میں نہ مالِ غنیمت حاصل کیا گیا اور نہ ہی کسی کو لونڈی غلام بنایا گیا۔

اس کے بعد رومیوں نے مسلمانوں سے جنگ کی نیت سے صوبہ اردن کے شہر بیساں میں اپنی فوجیں جمع کرنی شروع کر دیں۔ چنانچہ 14AH/635AD میں ان کے ساتھ معرکہ آرائی ہوئی اور مسلم افواج نے انہیں شکستِ فاش دے کر پورا اردن فتح کر لیا۔ پھر ابو عبیدہؓ اور خالدؓ بن ولید بیت المقدس، حمص اور انطاکیہ کی طرف بڑھے اور 16AH/638AD تک یہ تینوں بڑے شہر بھی فتح ہو گئے۔ اس کے بعد یرموک کا فیصلہ کن معرکہ ہوا۔ یرموک کا کھلا میدان جنگی نقطہ نظر سے مسلمانوں کے لیے نہایت موزوں اور مناسب تھا۔ اسی لیے حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت خالدؓ نے رومیوں سے نمٹنے کے لیے اپنی کل فوجیں دمشق سے یہاں منتقل کر دیں۔ رجب 15AH/637AD میں پہلا مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا۔ جنگ ملتوی ہوئی اور صلح کی کوششیں کی گئیں لیکن سفارتی جدوجہد ناکام رہیں۔ کچھ عرصہ بعد پھر سے دونوں فوجیں لڑنے لگیں۔ ایک بڑی گھمسان کی جنگ کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی۔

عہدِ صدیقیؓ میں فلسطین کی مہم حضرت عمروؓ بن العاص کے ذمہ تھی۔ ان کی مدد کے لیے بعد میں حضرت خالدؓ بھی پہنچ گئے تھے۔ اُس وقت نابلس، لد، بیت جبرین اور عمواس وغیرہ کے علاقے فتح ہو چکے تھے۔ مگر فلسطین بلکہ شام کا مرکزی شہر اور یہودیوں اور عیسائیوں کا کعبہ یعنی بیت المقدس ابھی باقی رہ گیا تھا۔ جوں ہی

یرموک سے مسلمان فوجیں فارغ ہوئیں حضرت عمروؓ بن العاص نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ بھی پہنچ گئے۔ عیسائیوں نے چند روز تو مدافعت کی۔ لیکن جلد ہی صلح کی اس شرط کے ساتھ پیشکش کی کہ امیر المؤمنین خود یہاں پہنچ کر صلح نامہ لکھیں۔ حضرت عمرؓ کو جب اس بات کی اطلاع دی گئی تو آپ نے اسے منظور کر لیا۔ چنانچہ آپ بیت المقدس پہنچے اور معاہدہ تحریر کیا جس میں مفتوحین کی جان، مال اور ان کے مذہب کا پورا تحفظ دیا گیا۔ یہ معاہدہ 17AH/639AD کو طے پایا۔

ان ہی دنوں میں حضرت خالدؓ بن ولید کی معزولی کا غیر معمولی واقعہ بھی پیش آیا۔ یہ واقعہ اس حیثیت سے نہایت اہم ہے کہ جس جانباز کی تلوار نے عراق و شام کی قسمت کا فیصلہ کیا اسے حضرت عمرؓ نے عین محاذِ جنگ میں معزول کر دیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت خالدؓ فوجی مصارف کا حساب و کتاب کبھی نہیں بھیجتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ تو ان کی خدمات کی بناء پر ان سے اس سوال پر زیادہ زور نہ دیتے تھے لیکن حضرت عمرؓ نے ان کو اس پر تاکید کی۔ جس پر انہوں نے ضد کی کہ چونکہ انہوں نے ایسا شروع ہی سے نہیں کیا لہٰذا اب بھی وہ ایسا نہیں کریں گے۔ اس کے جواب میں حضرت عمرؓ نے انہیں معزول تو نہ کیا البتہ حضرت ابو عبیدہؓ کے ماتحت کر دیا۔ پھر چند دنوں بعد حضرت خالدؓ نے ایک شاعر کو کسی موقع پر ایک خطیر رقم دے ڈالی۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی تو آپ نے لکھ بھیجا کہ ۔۔۔ خالد نے یہ رقم اپنی جیب سے دی ہے تو اسراف کیا اور اگر بیت المال سے دی ہے تو خیانت کی۔ دونوں حالتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔

شام کے زیرِ نگیں ہونے کے بعد مصر پر فوج کشی ہوئی۔ اس کی فتح کا سہرا حضرت عمروؓ بن العاص کے سر ہے۔ مصر کی طرف رجوع ہونے کا بنیادی سبب یہ تھا کہ مصر کی قبطی حکومت قیصر روم کے ماتحت تھی اس لیے شام کی حفاظت کے لیے یہ ضروری تھا کہ مصر کی طرف سے بھی حفاظت رہے۔ چنانچہ 21AH/642AD میں مصر کے بیشتر علاقوں پر فتح حاصل کی۔ ان میں عریش، فسطاط اور اسکندریہ شامل ہیں۔ مصر کو فتح کرنے کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص نے شمالی افریقہ کا رخ کیا۔ برقہ اور زویلہ والے نہایت آسانی کے ساتھ صلح پر آمادہ ہو گئے۔ طرابلس بھی بہ سہولت فتح ہو گیا۔

یوں حضرت عمرؓ کے دورِ حکومت میں ایران و روم کی عظیم الشان سلطنتوں کے پُرزے اُڑ گئے۔ اور ہندوستان کی سرحد سے لے کر شمالی افریقہ تک اسلام کا پرچم لہرانے لگا لیکن اس احتیاط کے ساتھ کہ ان ساری فتوحات میں ظلم و جور کا ایک واقعہ بھی نہیں پیش آیا۔ ملکوں کا تباہ کر دینا تو بڑی بات ہے عہدِ فاروقی میں خونِ ناحق کا ایک قطرہ بھی نہ گرنے پایا۔ نہ تو بوڑھوں، بچوں اور عورتوں پر کبھی تلوار اٹھائی گئی اور نہ ہی کسی ہرے بھرے

کھیتوں اور شاداب درختوں کو گزند پہنچائی گئی۔ بلکہ آپ نے جس ملک میں بھی قدم رکھا اپنے عدل وانصاف اور حسن اخلاق سے وہاں کے باشندوں کو ایسا گرویدہ بنالیا کہ وہ اپنی قوم کے مقابلہ میں آپ کے معاون و مددگار بن گئے۔ آپ نے قوموں کو مسخر کرلیا اور بہت سی مفتوح قوموں نے تو آپ کا مذہب بھی قبول کر لیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جو ملک فتح ہوئے وہ سب کے سب آج تک مسلمانوں ہی کے قبضہ میں ہیں۔

23AH/643AD کے اواخر میں حضرت عمرؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کا پارسی غلام اپنے آقا کی شکایت لے کر حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا تو آپ نے اس کی شکایت کو ناجائز قرار دیا۔ وہ اس فیصلے سے اس قدر مشتعل ہو گیا کہ دوسری صبح جب حضرت عمرؓ نماز کی حالت میں تھے اس نے آپ پر خنجر سے لگاتار وار کر دیا۔ زخم اتنے کاری ہو گئے تھے کہ آپ جانبر نہ ہو سکے۔ یکم محرم الحرام 24AH/644AD کو پیر کے دن آپ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ انتقال کے وقت آپ 63 سال کے تھے۔ حضرت صہیبؓ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرتہ عائشہؓ نے جس جگہ کو خود اپنے لیے مخصوص کر رکھا تھا حضرت عمرؓ کی شدید خواہش پر یہ جگہ انہیں دے دی۔ یوں آپ نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب جگہ پائی۔

اپنی جانشینی کے لیے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ اور حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف کے 6 نام (جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی) تجویز کر کے فرمایا کہ ان میں جس پر کثرتِ رائے ہو جائے اسے امیر بنانا۔ اور تاکید کر دی کہ میرے بعد تین دن کے اندر اندر یہ معاملہ طے ہو جائے۔ اور حضرت صہیبؓ کو حکم دیا کہ میری تدفین سے فراغت کے بعد ان 6 آدمیوں کو ایک مکان میں بند کر دینا اور جب تک ان میں سے کسی ایک کا انتخاب نہ ہو جائے اس وقت تک نہ کھولنا۔ آپ نے یہ بھی ہدایت کی کہ میرے بیٹے عبداللہ مشورہ میں شریک تو رہ سکیں گے لیکن امارت کے عہدہ سے انہیں کوئی تعلق نہ ہوگا۔

حضرت عمرؓ کے دَورِ خلافت کے ساڑھے دس سالوں کو اسلامی تاریخ کے سنہرے اور قابلِ تقلید دَور میں شمار کیا جاتا ہے۔ آپ کے دل میں ہمیشہ رہنے والا اللہ کا خوف اور آپ کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت نے ہی آپ کو یہ مقام عطا کیا۔ اسلام کے قیام اور اس کو مضبوطی سے استوار کرنے میں حضرت عمرؓ کی ذات یقیناً ایک کلیدی حیثیت کی حامل ہے۔ آپ اسلام کے اہم ستون میں سے ایک ہیں۔ آپ کا نام ہمیشہ یادگار رہے گا۔